© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

چار ماہ کی جبری غیر حاضری کے بعد، جس کی وجہ میری علالت تھی، شافیٔ مطلق کی کرم فرمائی سے میں پھر قارئین ترجمان القرآن کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ اس عرصہ میں بزرگوں اور دوستوں نے جس ایثار اور محبت کا ثبوت دیا، خصوصاً مخدومی ملک غلام علی صاحب کے نوٹ کے بعد میرے کرم فرماؤں نے جس ہمدردی کا اظہار فرمایا اور مشفق معالجین نے جس دلسوزی کے ساتھ علاج معالجہ کیا، آج کے مادّی دَور میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ مَیں اپنے سارے بہی خواہوں کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔ اللہ رب العزت ان سب کو جزائے خیر دے اور خاکسار کو دینِ حق کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ہمارے مُلک کے وزیر اعظم اپنی ذات کو غیر معمولی طور پر نمایاں کرنے کے لیے جہاں بے شمار سطحی اور نمائشی کام کرنے میں مصروف رہتے ہیں، وہاں چند بے معنی مگر دلفریب نعرے بھی فضا میں بلند کرتے رہتے ہیں۔ ان نعروں میں ایک نعرہ "تیسری دنیا کا اتحاد" ہے۔ اس نعرہ کی مدد سے وہ بین الاقوامی سطح پر اپنا قد کاٹھ بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو لوگ اس نعرہ کے پس منظر سے واقف ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسے ماضی میں مغربی طاقتوں نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کی خاطر بطور ایک شوشہ دُنیا میں چھوڑا تاکہ دُنیائے اسلام کا ردِ عمل معلوم کیا جا سکے۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد جب دُنیا کی تعمیرِ نو کا سوال پیدا ہوا تو مختلف ممالک دو واضح گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ جو اشتراکیت کے علمبردار تھے یا جن کے مفادات کسی نہ کسی طرح اُن سے وابستہ تھے۔ دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ جو جمہوریت کا دم بھرتے تھے اور آزاد معیشت کو اپنی اقتصادی پالیسی کا سنگِ بنیاد سمجھتے تھے۔ اِن دو منافق دھڑوں کے درمیان ایک تیسری طاقت اسلامی نظامِ حیات کی علمبردار کی حیثیت سے اُبھر رہی تھی اور اِس بات کا قوی امکان پیدا ہو چکا تھا کہ مستقبل قریب میں ایک نیا بلاک اسلام کی نظریاتی بنیادوں پر معرضِ وجود میں آ جائے گا جو اشتراکیت اور سرمایہ داری سے ستائی ہوئی مخلوق کے دُکھوں کا مداوا کرے گا اور بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہو گا۔ چونکہ اِسلامی نظامِ حیات اشتراکیت کی بے رحم جکڑبندیوں اور سرمایہ دارانہ نظام کی انسانیت سوز ریشہ دوانیوں کے درمیان ایک راہ اعتدال ہے، اس لیے مغربی ممالک کو اِس بات کی تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں اشتراکیت اور سرمایہ داری کے لگائے ہوئے زخموں سے چُور انسانیت اسلام کو اپنے لیے مرہم سمجھتے ہوئے دین کی اساس پر کسی نئی شیرازہ بندی کی طرف متوجہ نہ ہو جائے جو آگے چل کر مغربی تہذیب و تمدّن کے لیے کسی خطرے کا باعث بنے۔

اہلِ مغرب کے سامنے اسلام کی شکل میں جو مختلف خطرات منڈلا رہے تھے، اُن کے تدارک کے لیے اُن کے نزدیک سب سے اہم سوال یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنی اجتماعیت کی خاطر اسلام کے علاوہ کوئی دوسری بنیاد کیا فراہم کی جائے؟ اِس کام کے لیے اُن کے سامنے وطن کی اساس موجود تھی اور اس بنیاد پر یورپ کے متعدد معاشرے تشکیل پا چکے تھے۔ خود مسلمان ممالک میں وطنی قومیت کی تحریکیں چل رہی تھیں، لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ مسلمانوں میں جب بین الاقوامی حیثیت سے ایک نئی قوت کے وجود کا شعور پیدا ہوا اُس وقت وطنی قومیت کی تحریکیں دم توڑ چکی تھیں اور دُنیا کی ساری قوموں میں یہ احساس انگڑائی لے رہا تھا کہ انسان جس وطن سے تعلق رکھتے ہیں انہیں اگرچہ اُس سے محبت تو ہوتی ہے، لیکن خاکِ وطن ان کی اجتماعیت کے لیے کسی اعتبار سے بھی اکسیر ثابت نہیں ہو سکتی۔ اِس کے لیے اُنہیں کسی وسیع تر بنیاد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ یورپی قومیں جو نیشنلزم پر ایمان رکھتی تھیں اور جنہوں نے وطن میں شانِ الوہیت پیدا کر رکھی تھی، اُن کے افکار و معتقدات متزلزل ہونے لگے اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ قومی شیرازہ بندی کے لیے یہ بنیاد بڑی کمزور ہے۔

دَورِ جدید میں پیغام رسانی کے ذرائع اور حمل و نقل کے وسائل میں حیرت انگیز ترقی نے دنیا کے دُور دراز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوشوں کو سمیٹ کر انسانوں کو ایک دوسرے کے اِس قدر قریب کر دیا تھا کہ اب اُن کے لیے چھوٹے چھوٹے دھڑوں میں بٹ کر زندہ رہنا اور اپنی قوتوں کو تعمیر و ترقی کی راہ پر لگانا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ بدلے ہوئے حالات میں اِس بات پر مجبور تھیں کہ رنگ، نسل اور وطن کی بنیاد پر اپنی اجتماعیت کا قصر تعمیر کرنے کے بجائے کسی بلند تر نصب العین کی اساس پر اپنی شیرازہ بندی کریں۔ چنانچہ وہ مسلم ممالک جن میں وطن پرستی کی تحریک زوروں پر تھی اور جن میں لوگ "وطن پہلے اور مذہب بعد میں" کا نعرہ بلند کرتے تھے، وہ بھی اپنے اِس موقف پر قائم نہ رہ سکے اور اِس بات پر مجبور ہوئے کہ وطن کے بجائے اتحاد و اتفاق کے لیے کوئی دوسری بنیاد تلاش کریں۔

وطنیت کا طلسم ٹوٹنے کے بعد مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں کے لیے تو یہ سوال واقعی پریشان کن تھا کہ اگر خاکِ وطن اُن کے مختلف عناصر کو ایک دوسرے سے جوڑ کر انہیں ایک اجتماعی قوت میں ڈھالنے سے قاصر ہے، تو پھر اُن کے اندر ربط و ضبط پیدا کرنے کے لیے کوئی دوسری مقناطیسی قوت کہاں سے فراہم کی جائے؟ اہل یورپ جس فلسفۂ حیات پر ایمان لا چکے تھے اُس کا تانا بانا چونکہ مادیت سے تیار کیا گیا تھا، اِس بناء پر اُن کے لیے اپنی اجتماعیت کے لیے مادی بنیاد کو چھوڑ کر کوئی دوسری بنیاد تلاش کرنا بالکل ممکن نہ تھا، خصوصاً ایسے حالات میں جب مادی تہذیب و تمدن کی علمبردار قومیں دنیا میں طاقت ور اور سر بلند بھی تھیں۔ چنانچہ حالات کے تند و تیز دھارے نے اگرچہ وطنیت پر سے اُن کے ایمان کو متزلزل کر دیا لیکن انہوں نے وطن کے بجائے اجتماعیت کے لیے جو دوسری اساس یعنی دنیوی مفادات کا اشتراک، فراہم کی وہ بلاشبہ وسیع تر تو تھی مگر اس کی نوعیت بھی سراسر مادی ہی تھی۔ لہٰذا دنیا کے مختلف ممالک دو معاشی نظاموں کی بنیاد پر دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ پر جب مسلم ممالک میں دیگر اقوام کی طرح وطنیت کا نشہ کافور ہوا تو وہاں کے باشندے اجتماعیت کی کوئی مادی اساس تلاش کرنے کے بجائے اسلام کی اُس روحانی بنیاد کی طرف متوجہ ہوئے جس کی بدولت وہ صدیوں تک رنگ، نسل، وطن اور زبان کے اتفاقی امتیازات کے باوجود ایک اُمت کی حیثیت سے دنیا میں سربلند رہے اور جس کی تابندہ روایات اُن کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھیں۔ پھر مادی فلسفۂ حیات کی تباہ کاریاں بھی کھل کر اُن کے سامنے آچکی تھیں۔ اشتراکیت اور جمہوریت کے عویداروں نے انسانیت پر بالعموم اور اپنے زیرِ اثر ممالک پر بالخصوص جو مظالم ڈھائے تھے اُن سے پوری دُنیا آشنا ہوچکی تھی۔ اِن حالات میں اِس بات کا کوئی امکان باقی نہ تھا کہ مسلمان اِن دونوں نظاموں کے ناکام تجربات کے بعد اور نوعِ انسانی کی المناک بربادی دیکھ کر بھی اپنی تعمیرِ نو کے لیے اِن دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب ہی کر بیٹھتے۔ چنانچہ ان کے اندر رُجوع الی الاسلام کا نہ صرف رجحان نمودار ہوا بلکہ اس مقصد کے لیے باقاعدہ ایک تحریک پوری قوت سے اُبھرنے لگی اور دُنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد تھے اُن کے اندر یہ چبھتا ہوا احساس پرورش پانے لگا کہ ہم وہ بدنصیب لوگ ہیں جو وحدت اور اُخوت کی ایک مضبوط بُنیاد رکھنے کے باوجود انتشار کا شکار ہیں اور تعلیماتِ الٰہی کے امین ہوتے ہوئے بھی کفر و الحاد میں اپنی فلاح ڈھونڈھ رہے ہیں۔ وہ حیات آفرین نظامِ فکر و عمل جو ہمیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ملا ہے اُسے چھوڑ کر ہم نے خدا کے غضب کو دعوت دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے ہمیں ہر قسم کے قدرتی وسائل سے نوازا ہے لیکن ہم اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے در در کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ اپنے تحفظ کے لیے کبھی امریکہ کی طرف دیکھتے ہیں اور کبھی روس سے امداد طلب کرتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جس ملّت کے ہاتھ میں سات آٹھ سو سال دُنیا کی زمامِ کار رہی تھی وہ اِس قدر کمزور اور بے بس ہو جائے کہ اپنی آزادی کی بھی حفاظت نہ کر سکے بلکہ اپنی بقاء کے لیے دوسروں کی دست نگر ہو؟ اِس قسم کے احساسات نے مسلمانوں کے اندر اسلام کو صدقِ دل سے اپنا کر اُس کے متعین کردہ خطوط پر جدّ و جہد کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ چنانچہ دنیا کے متعدد ممالک کے اندر مختلف ناموں کے ساتھ احیائے دین کی تحریکات زور پکڑنے لگیں۔ اسلام سے مسلمانوں کی از سرِ نو وابستگی کفر آخر کس طرح گوارا کر سکتا تھا؟ اِس لیے اُس نے سُرخ اور سفید سامراج کی چیرہ دستیوں کی شکار نوعِ بشری کے سامنے تیسری دنیا کا تصور پیش کیا۔ اِس تیسری دُنیا سے اُن کی مراد یہ ہے کہ وہ ممالک جو معاشی اعتبار سے پس ماندہ ہیں اور جن کے وسائل کا ترقی یافتہ قومیں عرصہ دراز سے استحصال کر رہی ہیں انہیں ایک نئی قوت بنا کر نہ صرف استحصال سے بچایا جائے بلکہ معاشی لحاظ سے مضبوط بنایا جائے تاکہ دنیا میں دولت کے عدمِ توازن کی وجہ سے جو سنگین مسائل پیدا ہو چکے ہیں وہ بطریقِ احسن حل ہوں اور انسانیت آرام اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ جن لوگوں نے تیسری دنیا کا نعرہ بلند کیا ہے انہیں اس بات کی توقع ہے کہ معاشی مفادات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اشتراک مختلف قوموں کے درمیان اتحاد کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کر سکے گا۔

ممکن ہے کہ تیسری دنیا کا نعرہ بعض لوگوں کے سیاسی مفادات کے لیے کسی حد تک کار آمد ہو یا غیر مسلم قوموں کے لیے اِس بنا پر خوش آئند ہو کہ یہ مسلمانوں کے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنے کا باعث بنے گا یا اس سے دنیائے اسلام میں فکری انتشار پیدا ہو گا اور مسلمانوں کی منزل کھوٹی ہو گی۔ یہ سارے مقاصد جن کی نوعیت سراسر منفی ہے قوموں کے درمیان رشتۂ اخوت استوار نہیں کر سکتے۔ جب بھی مختلف ممالک کے درمیان مادی مفادات کے تحفظ کا سوال پیدا ہو گا تو اُن میں سے ہر ایک اس نہج پر سوچے گا کہ اِس تحفظ سے اسے کس قدر مالی فوائد حاصل ہوں گے اور استحصال سے بچنے کے لیے اسے جو قربانی دینا پڑے گی اُسے اِس کا کیا صلہ ملے گا؟ مادی مفادات کسی پائدار اتحاد کی بنیاد نہیں بن سکتے کیونکہ اُن کے بطن میں تشتّت و افتراق کے جراثیم ہوتے ہیں۔ جب لوگوں کو یہ کہا جاتا ہے کہ آؤ مل کر اپنے معاشی مفادات کا تحفظ کریں تو اس دعوت میں یہ بات بھی مضمر ہوتی ہے کہ انہیں اِس تحفظ کے نتیجہ میں پہلے سے کہیں زیادہ دُنیوی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ اِس توقع کی بنیاد پر ہر فرد یا گروہ اپنے حصّے کا بڑے جارحانہ انداز میں مطالبہ کرنے لگتا ہے۔ اِس طرح مادی مفادات کا اشتراک سیاسی انتشار کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ کیا روس اور چین دونوں اشتراکیت کے حلقہ بگوش ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے ہم عناں ہیں اور ملکی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اشتراکی نظام کی عملداری کے لیے کوشاں ہیں؟ کیا مشرقی یورپ میں اشتراکیت کے تسلط نے روس اور اس کے مفادات کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر دیا ہے؟ کیا امریکہ، برطانیہ اور فرانس ایک ہی نظام کے علمبردار ہونے کی بنا پر ایک دوسرے سے متحد و متفق ہیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ معاشی استحصال کی روک تھام کی آڑ میں دنیا کے طاقتور ممالک پہلے تو کمزور اقوام کو زیرِ دام لاتے ہیں اور پھر اُن کے وسائل سے ناجائز انتفاع شروع کر دیتے ہیں۔ ستم زدوں پر جب عرصۂ حیات تنگ ہونے لگتا ہے تو اُن کے دلوں میں اپنے ان "محسنوں" کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور وہ اس امر کے لیے کوشاں ہوتے ہیں کہ کسی طرح ان "کرم فرماؤں" کو اس بات پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ اپنا "دستِ شفقت" ان بے بسوں پر سے اُٹھا لیں اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ بھارت نے مشرقی پاکستان کو استحصال سے نجات دلانے کے لیے جس طرح مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکایا اور پھر بنگلہ دیش میں لوٹ کھسوٹ کا جو بازار گرم کیا اور اس کے خلاف وہاں کے باشندوں میں جو شدید ردِّعمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہوا اور اس سے جو خوفناک نتائج برآمد ہوئے اس سے پوری طرح دُنیا واقف ہے ۔ چنانچہ جن ممالک میں بھی معاشی مفادات کی تحریکات نے زور پکڑا اور جو لوگوں نے ان کے تحفّظ کی غرض سے وطنیت سے ہٹ کر اتحاد کی کوئی وسیع تر بنیاد تلاش کی انہیں بالآخر اس اتحاد کو اپنے ہاتھوں سے ختم کر کے جارحانہ قوم پرستی کا مسلک اختیار کرنا پڑا ۔

دُنیا کے سارے ممالک کے معاشی مفادات ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہیں کہ اُن میں سے دو تین کو بھی ایک سطح پر منظم نہیں کیا جا سکتا ۔ اِس وقت جن ممالک کو "تیسری دنیا" کے نام سے متحد کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اُن میں ایک سو ستره قومیں شامل ہیں ۔ اُن میں پچاس قومیں اتنی مفلوک الحال ہیں کہ اُنہیں چوتھی دُنیا کا نام دیا جاتا ہے ۔ بارہ قومیں تیل کے ذخائر رکھنے کی وجہ سے بہت امیر ہیں لیکن صنعتی اعتبار سے بہت پس ماندہ ہیں ۔ ان دونوں کے درمیان پنتالیس قومیں ایسی ہیں جو بہترین مساعی کے باوجود موجودہ ظالمانہ معاشی نظام سے بے حد متاثر ہیں اور اِسی کی وجہ اُن قوموں پر استعمار پسندوں کا بالواسطہ اور بلا واسطہ تسلّط ہے ۔ اِن حالات میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ ان لاتعداد قوموں کے مابین صرف معاشی مفادات کی اساس پر کوئی ایسا اتحاد معرضِ عمل میں آئے جس سے وہ تہذیب و ثقافت کے سارے امتیازات نظر انداز کر کے اور تمام سیاسی مفادات پسِ پشت ڈال کر ایک قومیت بن جائیں اور ان میں ہر قسم کی جارحیت کے خلاف صف آرا ہونے کا عزم اور حوصلہ بھی پیدا ہو جائے ۔ اِس مصنوعی اتحاد کے لیے گذشتہ سالوں میں نیروبی ، فرانس ، منیلا میں منعقدہ کانفرنسیں ناکام ہوئیں اور میکسیکو کانفرنس میں جس طرح یہ بات کھُل کر سامنے آئی کہ آج کے دَور میں معاشی مفادات گو بڑے اہم خیال کیے جاتے ہیں مگر وہ سیاسی مفادات کے تابع ہی ہوتے ہیں ، اس نے تیسری دنیا کے تصوّر کو خاصا دُھندلا کر دیا ہے ۔

خواب و خیال کی دُنیا میں بسنے والے اِس اتحاد کے بارے میں جس خوش فہمی میں چاہیں گرفتار رہیں ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عالمِ واقعات میں یہ اتحاد بڑا ہی ناپائدار ہے اور اِس کی بنیاد تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے ۔ سو سے زائد ممالک جن کی معاشی سطح ایک دوسرے سے مختلف ہے اور جو تین وسیع تر اعظموں سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے سیاسی مفادات ایک دوسرے سے متصادم ہیں ، انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتصادی اساس پر جمع کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں، خصوصاً اِن حالات میں جب کہ ان میں سے کوئی ایک ملک بھی پوری طرح خود مختار نہیں اور ان میں سے ہر ایک کسی بڑی طاقت کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ کیا دُنیا کے اِس نقشے میں اس بات کی کوئی توقع کی جا سکتی ہے کہ بڑی طاقتیں غیر معمولی فیاضی سے کام لیتے ہوئے اپنے زیرِ اثر ممالک کو اِس بات کی اجازت دے دیں گی کہ وہ اپنے معاشی مفادات کی خاطر جس دھڑے کے ساتھ چاہیں اپنے آپ کو وابستہ کرلیں؟ مثال کے طور پر تیسری دنیا میں لاطینی امریکہ کی کئی ایک ریاستیں شامل ہیں۔ کیا عقل یہ باور کرسکتی ہے کہ امریکہ اُن کے طرزِ عمل کے بارے میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کرے گا اور اگر چین اور روس سے وابستگی اُن کے لیے معاشی اعتبار سے خیر و برکت کا باعث ہو تو امریکہ بہادر اُنہیں اس امر کی اجازت دے دے گا کہ وہ اُن سے وابستہ ہو جائیں؟ کیا افریقہ کی مُتعدد ریاستیں جنہیں مغربی قوموں نے حال ہی میں آزادی کا پروانہ دیا ہے اور جو اکثر و بیشتر معاملات میں اپنے پرانے آقاؤں کی دست نگر ہیں اُن کے مفادات کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے کی جرأت کرسکیں گی؟

پھر جو لوگ فلسفۂ اجتماع سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ اِس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ جذبہ جو مختلف افراد، گروہوں اور قوموں کو ایک دوسرے سے جوڑتا ہے اُس میں روحانیت کا عنصر غالب قوت کی حیثیت سے شامل ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ روحانیت مذہبی ہو، لیکن مادّہ سے ماوراء ایک لطیف احساس جب تک کسی جذبہ کا جزو نہیں بنتا وہ جذبہ کسی لحاظ سے بھی مؤثر ثابت نہیں ہوسکتا۔ مشہور مصنف DENISON نے اپنی معروف کتاب EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION (جذبہ بحیثیت اساس تہذیب) میں اس موضوع پر تفصیل سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے بتایا ہے کہ رُوحانی عناصر ہی جذبات کی عنان تعمیر و ترقی کی طرف موڑتے ہیں اور اُن کے اندر اعتدال، توازن اور ثبات پیدا کرکے اُنہیں نوعِ انسانی کے لیے مفید اور کارآمد بناتے ہیں، اور اگر یہ جذبات روحانی عناصر سے محروم رہیں تو پھر وہ منفی داعیات بن کر تخریب کی راہ پر بہہ نکلتے ہیں۔ آپ مثال کے طور پر وطن پرستی کے جذبہ کو ہی لیں۔ یہ جذبہ اپنی جگہ کتنا ہی قابلِ قدر سہی، لیکن محض اِس جذبہ کے تحت کسی ملک کے باشندے اپنا مال اور اپنی متاعِ حیات قربان کرنے پر آمادہ نہیں ہوسکتے جب تک وطن میں الوہیت کا وصف پیدا کرکے اُسے اِلٰہ نہ بنا لیا جائے۔ دَورِ جدید میں چین نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے وہ محض وطن سے محبت کا نتیجہ نہیں بلکہ چین پرستی اور ماؤ پرستی (باقی بر صفحہ ۴۸)

© rasailojaraid.com